نہج البلاغہ میں

عوام اور حکومت کے باہمی حقوق

ڈاکٹر محمد مہدی رکنی یزدی

انسان ایک سماجی مخلوق ہے اور سماجی زندگی بسر کرنا اس کی فطرت کا اہم حصہ ہے۔ اس بات کی تردید نہیں کی جاسکتی کہ زندگی میں ہر انسان ایک دوسرے کے سلسلے میں لازمی فرائض اور ذمہ داریوں کا حامل ہوا کرتا ہے اور یہ فرائض مختلف معاشروں میں احکام الٰہی یا حکومتی قوانین یا قومی اصول وضوابط کی شکل میں موجود ہیں۔ سر دست ہماری گفتگو کا موضوع یہ نہیں ہے کہ یہ قوانین کس طرح وجود میں آئے اور ان کا اصل مقصد کیا ہے بلکہ ان قوانین کی ضرورت واہمیت کے بارے میں شک وتردید کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اگر یہ قوانین نہ ہوتے تو "جنگل راج" ہوتا اور اس طرح "الحق لمن غلب"[۱] یعنی معاشرہ میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا محاورہ عملی شکل اختیار کر لیتا۔

مذہب اسلام میں اس فریضہ عمومی کو "حق" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے والدین کا حق، معلم کا حق، پڑوسی کا حق اور دوست وساتھی کا حق وغیرہ۔ میرا خیال ہے کہ لفظ "حق" کے حقیقی معنی و مفہوم میں لطف وعنایت کا پہلو موجود ہے۔ اسی وجہ سے اس مقصد کے لئے اس لفظ کا استعمال کیا گیا ہے جبکہ قانون، اصول وضوابط اور وظیفہ وفریضہ جیسے الفاظ میں لطف وعنایت کا وہ پہلو کارفرما نہیں ہے کیونکہ لغت اور دائرۃ المعارف جیسی کتابوں میں "حق" کا مطلب ثابت[۲] واجب ہونا اور لائق ومناسب ہونا۔[۳] بیان کیا گیا ہے۔ واجب وثابت درحقیقت باطل کی ضد اور بالآخر پروردگار قادر ومتعال کا نام ہے جو حقیقی موجود[۴] ہے لیکن اس مقالے میں حق سے مراد وہ چیز ہے جس کا ادا کرنا واجب ہو۔[۵] فارسی دائرۃ المعارف میں حق کی اصطلاحی تعریف اس انداز میں بیان کی گئی ہے۔

"حق (جمع حقوق)، وہ طاقت یا امتیاز جو کسی فرد یا جماعت کے لائق ہوتا ہے (مثلاً حقوق

طبیعی) ایسی طاقت یا امتیازی صفت جو کسی قانون یا عرف کے مطابق مقرر ہو۔ لفظ حق کا اصطلاحی اعتبار سے معاشرتی نظام کی حفاظت کے لئے مقرر یا شناختہ شدہ رسوم اور قانون و قواعد کے مجموعے پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔[۶]

اسلامی احادیث میں اپنے ایمانی بھائی پر مومن کے حقوق کو نہایت اہم اور گرانقدر بتایا گیا ہے اور اس کا دائرہ قرابت داری اور رشتہ تعلیم وغیرہ سے کہیں زیادہ وسیع بتایا گیا ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے گرانقدر "رسالہ حقوق" میں ایسے حقوق کی نشاندہی کی ہے جو ایک مومن بھائی کو دوسرے مومن بھائی پر حاصل ہوتے ہیں اور جن کو ملحوظ خاطر رکھنے کی تاکید بھی کی گئی ہے۔ محد ثین نے اس رسالہ کو نقل کیا ہے جس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔ "اللہ تبارک وتعالیٰ کے سب سے بڑے حقوق میں وہ ہے جس کو واجب قرار دیا گیا اور جو تمام حقوق کی اصل اور بنیاد ہے یعنی جملہ انفرادی اور اجتماعی حقوق "حق اللہ" سے جڑے ہوئے ہیں کیونکہ انسان اگر اپنے خالق و پروردگار کے سامنے خود کو مسؤل و جوابدہ نہ سمجھے تو پھر اس میں ایسا کوئی محرک نہیں رہ جاتا جو اسے دوسرے تمام حقوق کی ادائگی کی طرف راغب کر سکے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے سماجی فرائض کو الٰہی افکار اور ایمان واعتقاد کی بنیاد پر ہرگز انجام نہ دے گا۔

سردست اس مقالے میں مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کے اقوال و ارشادات کی روشنی میں عوام اور حکومت کے باہمی حقوق کا اجمالی تجزیہ پیش کرنا مقصود ہے۔ حضرت امیر المومنین نے اپنے دو خطبوں میں حاکم اور رعایا کے آپسی حقوق کا ذکر کیا ہے اور اسے حق خداوندی کے بعد سب سے بڑا حق قرار دیا ہے۔ مولائے کائنات کی نظر میں حکومت کی اتنی بڑی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ خود اسلامی حاکم منتخب اور منصوص ہے اور جملہ اصحاب کا اتفاق ہے کہ وہ غیر معمولی عقل ودانش اور حکمت الٰہی سے مالا مال رہا ہے اور اس کی زبان حقیقی اسلام کی ترجمان اور خالص اسلام ہے اور اس کے اقوال اس کے کردار کے آئینہ دار ہیں یعنی وہ جو کچھ کہتا ہے اس پر خود بھی عمل کرتا ہے۔

مولائے متقیان نے اپنے جس خطبے میں حاکم اور رعایا کے حق کی وضاحت کی ہے وہ خطبہ نمبر ۲۱۶ ہے جو آپ نے صفین میں ارشاد فرمایا تھا جو پروفیسر جعفر شہیدی صاحب کی گرانقدر تالیف یعنی

''ترجمہ نہج البلاغہ'' میں محفوظ ہے اور مطلوبہ حصے کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔ ۸

''امابعد، بیشک خداوند عالم نے جب تم لوگوں پر حکمرانی کا کام میرے سپرد کیا تو اس نے تم لوگوں پر میرا حق بھی رکھا اور تم لوگوں کو بھی مجھ پر حق عطا کیا۔ جس طرح حاکم کی حیثیت سے تم لوگوں کی گردن پر میرا حق ہے بالکل اسی طرح تم لوگوں کا حق میرے اوپر بھی ہے۔ پس اگر بیان کیا جائے تو یہ حق بہت وسیع ہے۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ایسا کوئی نہیں جس کی گردن پر کسی کا کوئی

> اگر کوئی ایسا ہے جس پر کسی کا حق نہیں اور وہ دوسروں پر حق رکھتا ہے تو وہ کوئی اور نہیں بلکہ خود خالق کائنات کی ذات والا صفات ہے کیونکہ اس کو بندوں پر قدرت و توانائی حاصل ہے اور اس کی عدالت نمایاں اور ہر چیز پر اس کی قضا رواں اور اس میں دگرگونی پوری طرح ظاہر ہے۔

حق نہ ہو اور وہ دوسرے پر حق نہ رکھتا ہو۔ اگر اس پر کسی کا حق نہیں تو وہ کسی پر حق نہیں رکھتا ہے اور لیکن خداوند عالم نے بندوں پر اپنی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنا حق قرار دیا ہے اور اس کی اجرت دوگنا بلکہ کئی گنا رکھی ہے اور عفو و بخشش کے دروازہ سے جو محض اس کی ذات سے وابستہ ہے اور لامحدود عطا و بخشش کے ذریعہ جو صرف اسی کیلئے سرفراز ہے۔

''... جس حق کو خداوند عالم نے سب سے زیادہ اہم حقوق میں قرار دیتے ہوئے واجب بھی قرار دیا ہے وہ رعایا پر حاکم کا اور حاکم پر رعایا کا حق ہے اور خداوند عالم نے دونوں کے حقوق کو واجب قرار دیا ہے۔ خالق کائنات نے ایک دوسرے پر باہمی حقوق کو ان کے درمیان تعلقات کا موجب بنادیا اور یہی روابط ان کے دین کی عظمت و سربلندی کا سبب بن گئے۔ پس رعایا کا حال اس وقت تک اچھا ہو ہی نہیں سکتا جب تک حاکم نیک کردار نہ ہوں اور حکمراں لوگ اس وقت تک نیک کردار نہیں ہو سکتے جب تک رعایا نیک اعمال نہ ہو۔ پس جب رعایا حاکم کا حق ادا کردے اور حاکم رعایا کے حقوق کی طرف متوجہ رہے اور دونوں کے درمیان یہ حقوق وسیع تر ہوتے رہیں تو دین کی نشانیاں ظاہر اور عدل و انصاف

کی فراوانی دکھائی دے گی اور سنت پر جس طرح عمل کیا جانا چاہئے اسی طرح عمل ہونے لگے گا اور اس طرح زمانہ کا کام آراستہ ہو جائیگا اور لوگ حکومت کی پائداری کے لئے سرگرم عمل رہیں گے۔ دشمنوں کی لالچ بھری نگاہیں خود بخود بند ہو جائیں گی لیکن اگر حاکم رعایا پر غالب ہو جائے یا حاکم رعایا پر ظلم وستم کرنے لگے تو اختلافات کا بازار گرم ہو جائے گا اور ظلم وجور کی علامتیں دور سے آشکار نظر آئیں گی۔ دین میں غیر معمولی تباہی و بربادی پھیل جائے گی۔ لوگ سنت کی راہ سے منحرف ہو جائیں گے اور اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے لگیں گے۔ لوگ احکام خداوندی کو ترک کر دیں گے اور ان کی جان کو مختلف قسم کی بیماریاں لگ جائیں گی....."

مذکورہ ارشادات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام خداوند عالم کو جملہ حقوق کا منشا قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ مالک اور عادل ہے اور اپنی حکمت کے ذریعہ اس نے رعایا پر حاکم کا حق معین کرتے ہوئے رعایا کو اس کا مطیع و فرمانبردار بنادیا تاکہ معاشرہ میں نظم وترتیب اور صلح وسلامتی قائم رہے اور حاکم دوسری طرف یہ دھیان رکھے کہ اسے بارگاہ عالیہ الٰہی میں جواب دینا ہے لہٰذا اسے مساوات اور پسماندہ افراد کی حمایت کے ذریعہ عوام کی فلاح واصلاح کی کوشش میں لگے رہنا چاہئے۔ لیکن حق ہمیشہ دو طرفہ ہے اسی وجہ سے مولائے متقیان ارشاد فرماتے ہیں اے لوگو! فقط میرا ہی حق نہیں ہے بلکہ تم لوگوں کا حق میرے اوپر بھی ہے اور اس حق کو بھی خداوند عالم نے معین کیا ہے اور حاکم کو بہر حال یہ حق ادا کرنا چاہئے۔ اس کے بعد وہ ایک تلخ حقیقت کی یاد آوری کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ "**فالحق اوسع الاشیاء فی التواصف واضیقها فی التناصف۔**"[9] جی ہاں! بہت زمانے سے یہی ہو رہا ہے کہ جب حق کے بیان اور اس کی وضاحت کی منزل ہوتی ہے تو مقررین کی تقریر کی وضاحت کا دائرۃ کافی وسیع ہو جاتا ہے لیکن جب کردار اور عمل کی منزل آتی ہے تو وہ دائرۃ تنگ ہو جاتا ہے اور منصف افراد کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد حضرت امیر حقوق کے درمیان برابری و مساوات کی بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حاکم پر رعایا اور رعایا پر حاکم کا حق درحقیقت سب سے بڑا حق ہے جس کو خداوند عالم نے واجب قرار دیا ہے کیونکہ معاشرہ کے دنیوی واخروی مفاد و مصالح کا اس سے گہرا تعلق ہے اور ان کی نظر میں یہ

ایسا فریضہ ہے جس کو خدوانداعالم نے لوگوں کے درمیان الفت و محبت کا باعث قرار دیا ہے اور دین کی عظمت و سربلندی کو بھی اسی میں مضمر و پوشیدہ رکھا ہے لیکن یہ نتیجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب حکومت اور عوام دونوں ایک دوسرے کے حقوق کی بھرپور رعایت کرتے ہوں۔اس سلسلے میں نہایت منصفانہ اور نقل کرنے لائق جملہ ملاحظہ ہو۔"فلیست تصلح الرعیّة الا صلاح الولاة ولاتصلح الولاه الا باستقامة الرعیه"۔وہ حقیقی پیشوا جو حق کے علاوہ کچھ نہیں کہتا ہے وہ سب سے پہلے حکمرانوں اور گورنروں کی اصلاح ودرست کاری کی بات کرتا ہے کیونکہ یہ لوگ بافضیلت طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کے اعمال واقوال پر عوام نگاہ رکھتے ہیں اور خواہ مخواہ لوگ بڑے طبقے کے لوگوں کو نمونۂ عمل بنالیا کرتے ہیں پس اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو رعایا کی بھلائی و نیکو کاری حکمراں طبقے کے لوگوں کی نیک چلنی اور صالح اعمال سے وابستہ ہے لیکن حکمران طبقے کے لوگ بھی اس وقت تک صالح و نیک کردار نہیں ہوسکتے جب تک کہ لوگ الٰہی احکام وارشاد پر مبنی ان کے حکم کی باقاعدہ اطاعت و فرمانبرداری نہ کرتے ہوں اور ہر طرح کی دشواریوں کے باوجود لوگ حق، قانون اور حکم خداوندی پر ثابت قدم نہ رہتے ہوں۔

جب حاکم اور رعایا باہمی حقوق ادا کردیں گے تو پھر ان کے معاشرہ میں حق کی قدروقیمت میں فطری طور پر اضافہ ہوجائے گا اور دینداری کی راہیں نمایاں اور ان پر گامزن لوگوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوجائے گا۔اس طرح عدل وانصاف کا بول بالا دکھائی دینے لگے گا اور تمام امور و معاملات درست ہوجائیں گے اور اگر ایسا نہ ہوا تو اختلافات کا بازار گرم ہوجائے گا۔احکام میں ظلم اور دست درازی کی علامتیں نمایاں ہوجائیں گی اور جملہ کام ذاتی اور جماعتی مفاد کی خاطر انجام پانے لگیں گے اور حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے۔ان حالات میں نیک لوگ ذلیل اور کام سے کنارہ کش اور برے لوگ طاقتور اور تمام معاملات پر مسلط ہوجائیں گے۔پس معاشرہ کی اصلاح حاکم اور عوام کی اصلاح سے وابستہ ہوا کرتی ہے اور دونوں ہی لازمی ہیں لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حاکم طبقے کے لوگوں کو مقدم قرار دیا جاتا ہے کیونکہ ان لوگوں کا تعلق سماج کے تعلیم یافتہ اور دانشمند گروہ سے ہوا کرتا ہے اور ان کے اثرات عام لوگوں پر ہوا کرتے ہیں کیونکہ مختلف قسم کی ذمہ داریاں ان کے اختیار میں ہوا کرتی

ہیں اور اسی وجہ سے لوگ ان سے زیادہ توقع بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ مختلف روایات میں اس کو بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے مثلاً جب لوگ آنحضرت سے عوام الناس کی نیک و فاسد حرکتوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو وہ اسے معاشرہ کے خواص سے وابستہ قرار دیتے ہیں اور خواص کے درمیان وہ حکمراں طبقے کا نام لیتے ہیں کیونکہ یہ لوگ خداوند عالم کی مخلوق کے محافظ و نگہبان ہوتے ہیں اور اگر یہ لوگ ظالم ہو جائیں اور احکام میں ظلم اور دروغ گوئی سے کام لینے لگیں تو سماج یقیناً فاسد ہو جائے گا۔[۱۱]

بہر حال اس پیکر عدالت نے کلام الٰہی کی پیروی کرتے ہوئے حاکم اور عوام کی خوبیوں اور خرابیوں کو بخوبی واضح کر دیا اور اس کے بعد اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"پس تم لوگوں کا یہ فریضہ ہے کہ اس سلسلے میں ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہو اور آپسی تعاون کا جو حق ہے اسے بخوبی ادا کرتے رہو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ خداوند عالم کی اطاعت و بندگی کا جو

خداوند عالم کی اطاعت و بندگی کا جو حق ہے وہ کوئی بھی شخص ادا نہیں کر سکتا چاہے وہ اپنے معبود کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کتنا ہی حریص کیوں نہ ہو اور بندگی کی راہ میں زیادہ سے زیادہ کوشش کیوں نہ کرتا ہو۔

حق ہے وہ کوئی بھی شخص ادا نہیں کر سکتا چاہے وہ اپنے معبود کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کتنا ہی حریص کیوں نہ ہو اور بندگی کی راہ میں زیادہ سے زیادہ کوشش کیوں نہ کرتا ہو۔ لیکن بندوں پر خداوند عالم کو جو حقوق حاصل ہیں ان میں ایک دوسرے کو نصیحت کرنا اور اپنے درمیان حق کو قائم رکھنے میں ایک دوسرے کی مدد کرنا بھی شامل ہے۔ دنیا کا کوئی بھی انسان، چاہے وہ کتنی ہی عظمت و فضیلت کا حامل کیوں نہ ہو، اس بات سے ہرگز بے نیاز نہ سمجھے اور آنکھیں اسے بے قیمت کیوں نہ سمجھتی ہوں، وہ اس سے زیادہ چھوٹا نہیں ہے جو حق کی انجام دہی میں کسی شخص کی مدد کرے یا کوئی دوسرا شخص اس کی مدد کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔"[۱۲]

اس حصے میں مولائے متقیان دوایسے سماجی سیاسی موضوعات پر زور دیتے ہیں جو سماج و معاشرہ کی حفاظت اور سلامتی کیلئے بے حد لازمی ہیں اور دونوں کا تعلق بندوں پر الٰہی حقوق سے ہے۔ پہلا موضوع نصیحت یعنی برادران ایمانی کی خیر خواہی اور دوسرا موضوع تعاون یعنی ایک دوسرے کی امداد سے مربوط ہے اور وہ مدد وامداد بھی سماج میں حق قائم کرنے کیلئے ہے۔اس کے بعد وہ تاکید فرماتے ہیں کہ کوئی شخص مذہبی اعتبار سے کتنا ہی بافضیلت اور پیرو حق کیوں نہ ہو، حق کے قیام میں دوسروں کی مدد کرنے سے بے نیاز نہیں ہے یعنی حق کے قیام میں اسے دوسروں کی مدد بہر حال کرنی ہے۔ بالکل اسی طرح کوئی شخص بظاہر کتنا ہی چھوٹا اور حقیر وناچیز کیوں نہ ہو، حق کی پیروی وقیام میں دوسروں کی مدد کرنے یا دوسروں سے مدد حاصل کرنے میں ناتواں نہیں ہے۔ پس یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی معاشرہ میں سبھی لوگوں کو نصیحت اور دوسروں سے مدد حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

نہج البلاغہ میں حکومت اور رعایا کے باہمی حقوق کے سلسلے میں خطبہ نمبر ۳۴ کے آخری حصہ میں ایک نیا موقف دکھائی دیتا ہے۔ اپنی اس تقریر کے ابتدائی مرحلہ میں وہ لشکر معاویہ کے خلاف جنگ و نبرد آزمائی سے روگردانی کرنے والی فوج کی نافرمانی پر اپنی ناراضگی کا اظہار فرماتے ہیں۔اس تقریر کے آخری حصے میں وہ ایک الٰہی حاکم کی حیثیت سے لوگوں سے یوں خطاب فرماتے ہیں۔

''اے لوگو! مجھے تم لوگوں پر ایک حق حاصل ہے اور تم لوگوں کو میرے اوپر بھی ایک حق ہے اور میرے اوپر جو حق ہے وہ یہ ہے کہ میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی لاپرواہی نہ کروں اور بیت المال سے تمہارا حق تمہارے حوالے کر دوں۔ تم لوگوں کو تعلیم دوں تاکہ تم نادان نہ رہ جاؤ اور تملوگوں کو لازمی آداب بھی سکھادوں۔البتہ تم لوگوں پر میرا یہ حق ہے کہ تم نے جو بیعت کی ہے اس پر ثابت قدم رہو اور خفیہ و ظاہر دونوں صورتوں میں خیر خواہی کا حق ادا کرتے رہو۔جب میں تمہیں آواز دوں فورا آجاؤ اور تم کو جو حکم دوں اسکی اطاعت و فرمانبر داری کرو۔[۱۳]

خطبۂ سابق کی طرح وہ اس خطبے میں بھی حق کو دو طرفہ شمار کرتے ہوئے رعایا اور حاکم دونوں کیلئے تین تین حقوق کا ذکر کرتے ہیں۔ پہلے وہ حاکم پر رعایا کے حقوق کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ا۔ حاکم کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہو اور ایسی کوئی چیز، جس میں ان لوگوں کی دین و دنیا

کی بھلائی نہ ہو، نہ سوچے، نہ کہے، نہ حکم دے اور نہ عمل کرے۔ یعنی حاکم کا فریضہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے عوام کی دنیوی واخروی بھلائی کو نگاہ میں رکھے۔

۲۔ عوام کے مالی حقوق کو بخوبی ادا کرے بلکہ ملک کے مالی وسائل وذرائع کے اضافہ کی فکر میں لگا رہے تاکہ کام میں ترقی اور آمدنی میں اضافہ کا ذریعہ فراہم ہو سکے اور تنگ دست و مفلس افراد تنگی اور مالی پریشانی و مفلوک الحالی سے نجات حاصل کرسکیں۔

۳۔ حاکم کو چاہئے کہ وہ اپنی مملکت میں دینی تعلیمات اور اسلامی آداب کی ترویج کرے اور وہ اسباب وعوامل فراہم کرے جس سے لوگ الٰہی احکام سے آگاہ ہو سکیں۔ اس حق کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لوگوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا نیز انہیں اسلامی ثقافت سے بخوبی واقف و آگاہ رکھنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ یہ بات یقیناً شرمندگی کا باعث ہے کہ اسلامی حکومت کے سایہ میں ملت اسلامیہ کے درمیان کوئی جاہل رہ جائے یا پڑھے لکھے لوگ قرآن مجید کی تلاوت نہ کر سکیں اور قرآن پڑھنے والے افراد آیات قرآنی کے مفہوم سے ناواقف رہ جائیں۔

اس کے بعد وہ رعایا پر حاکم کے حقوق کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

۱۔ حاکم سے جو وعدہ کیا ہے اس کو بخوبی پورا کرنا یعنی حاکم کی بیعت کے ذریعہ اور موجودہ دور میں ووٹ دے کر جو عہد وپیان کیا ہے اس کو پورا کرنا۔

۲۔ خفیہ اور ظاہر دونوں صورتوں میں اسلامی حاکم کے سلسلے میں خیر خواہ ہونا رعایا کی ذمہ داری ہے لیکن اس خیر خواہی کے ساتھ ہی ساتھ محبت آمیز انداز میں تعمیری تنقید اور رشد وہدایت جیسے امور سے باز نہ رہنا چاہئے۔ رعایا پر حاکم کو بھی یہ حق حاصل ہے۔

۳۔ فتنہ انگیزوں، فساد پیدا کرنے والوں اور دشمنوں کی نابودی اور صلح وسلامتی نیز تعمیر وترقی کے لئے حاکم کی اطاعت و فرمانبرداری رعایا کا بنیادی فریضہ ہے اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ حکمراں طبقے کے اس حق کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے سماجی نظام میں گڑبڑی پیدا ہو جائے گی اور عمومی بدعوانی پھیل جائے گی اد سبھی لوگوں کو دنیوی اور دینی نقصانات کا بوجھ اٹھانا پڑے ہو گا۔

درحقیقت امام علی علیہ السلام کے حکیمانہ ارشادات کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں ہے

البتہ فقط لفظ ''نصیحت '' کی وضاحت لازمی معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایک لمبی مدت گزر جانے کی وجہ سے اس لفظ کا مفہوم بالکل بدل گیا ہے۔ عربی زبان میں اس لفظ کا مفہوم غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ عام طور پر ہم لوگ نصیحت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ نوجوانوں کو اچھی باتوں کی طرف راغب کرنے والی باتیں۔ لیکن اس خطبے سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ مولائے متقیان نے اس لفظ کو تمام لوگوں یعنی حکمرانوں اور عوام الناس دونوں کے لئے استعمال کیا ہے اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ حکمراں طبقے پر عوام کو عوام پر حکمراں طبقے کو نصیحت کا ایسا حق حاصل ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس لفظ کے حقیقی معنی و مفہوم کی وضاحت کے لئے ذیل میں کچھ احادیث نقل کی جاتی ہیں جن کی روشنی میں بات بالکل واضح ہو جائے گی۔

ابن منظور ''مادۂ نصح'' کے ذیل میں لکھتا ہے'' نصح الشئی خلص''(خالص ہو گئی)الناصح کا مطلب ہے''الخالص من العسل''[۱۳] وغیرہ۔ اس لفظ کے مصدری معنی و مفہوم کو بیان کرنے کے بعد ابن اثیر کے مندرجہ ذیل قول کو بطور حوالہ نقل کرتا ہے۔''النصیحة کلمة یعبر بھا عن جملة ھی ارادة الخیر للمنصوح له ۔ فلیس یمکن ان یعبر عن ھذا المعنی بکلمة واحدة تجمع معناھا غیر ھا واصل النصح : الخلوص ۔''[۱۴] یعنی نصیحت کا معنی مفہوم ہے جس کو نصیحت کی جاتی ہے اس کے بارے میں نیک ارادہ رکھنا اور اس مفہوم کو لفظ نصیحت کے ذریعہ ہی ادا کیا جاسکتا ہے۔ پس نصیحت میں ہمیشہ مرد مقابل یعنی عام مسلمانوں کی بھلائی اور خیر خواہی کو نگاہ میں رکھنا چاہئے اس میں کسی شخص واحد کی انفرادی یا کسی گروہ کی جماعتی خیر خواہی مقصود نہیں ہو سکتی ہے بلکہ اس سے مراد تمام امت مسلمہ ہے۔ اس معنی و مفہوم کی حامل متعدد احادیث موجود ہیں لیکن ذیل میں فقط دو احادیث نقل کی جاتی ہیں تاکہ بات کو پوری طرح واضح کیا جاسکے۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم مسلمانوں میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ وہ اپنے بھائی کے حق میں ویسی ہی خیر خواہی کرے جیسے وہ اپنی خیر خواہی کرتا ہے۔[۱۵]

علامہ مجلسی اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے مومن کے حق میں مومن کی نصیحت کے

سلسلے میں بیان کرتے ہیں کہ نصیحت سے مراد ہے اس شخص کے دینی و دنیوی مفاد و مصالح کے سلسلے میں اس کی ھدایت نیز اگر وہ نادان ہو تو اس کی تعلیم و تربیت، اگر ناواقف ہو تو اس کی آگاہی کا سامان فراہم کرنا، اگر کمزور ہے تو اس کی عزت و آبرو کا دفاع کرنا، اس کا احترام کرنا، اس کے بارے میں حسد نہ رکھنا، تمام نقصانات کو اس سے دور رکھنا اور اس کو ہر طرح کا فائدہ پہونچانا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک مرد مومن پر واجب ہے کہ وہ اپنے دوسرے مومن بھائی کی نصیحت و خیر خواہی کرے۔ ۱۶

مختصر لفظوں میں یہ سمجھ لیجئے کہ اگر سبھی لوگ یعنی حاکم و رعایا آپس میں حقوق الٰہی کو نگاہ میں رکھیں اور ایک دوسرے کا حق ادا کرتے ہوئے باہمی خیر خواہی سے کام لیں تو آج اسلامی معاشرہ میں جو فتنہ انگیزی اور کینہ پروری دکھائی دیتی ہے وہ اتحاد اور ہمدلی و خیر خواہی میں بدل جائے گی اور ایک خداپسند معاشرہ وجود میں آجائے گا۔

حوالے:

۱۔ ایک مثل کہی جاتی ہے جس کا مفہوم جو غلبہ حاصل کرلے حق اسی کا ہے

۲۔ منتهى الارب في لغة العرب، عبدالرحیم صفی پور

۳۔ لسان التنزيل، مولف نامعلوم، مطبوعہ بہ اہتمام دکتر مہدی محقق

۴۔ لسان العرب، ابن منظور

۵۔ لغت نامۂ دھخدا

۶۔ دائرۃ المعارف فارسی بہ سرپرستی ڈاکٹر غلام حسین مصاحب جلد اول۔ ۸۵۶، ۸۵۷

۷۔ اس گرانقدر رسالے کے متن و ترجمہ کے لئے ملاحظہ کیجئے کتاب ''زندگانی علی ابن الحسین علیہ السلام'' مولفہ ڈاکٹر جعفر شہیدی

۸۔ پورے خطبے کا مطالعہ کرنے کے لئے ملاحظہ کیجئے ''ترجمہ نہج البلاغہ از ڈاکٹر جعفر شہیدی ص ۲۴۸۔ ۲۵۰

۹۔ ابن میثم نے نہج البلاغہ پر لکھی گئی اپنی شرح میں اقوال و ارشادات علوی کی بلاغی خصوصیات کا بھی ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے شرح نہج البلاغہ ابن میثم ترجمۂ حبیب روحانی مطبوعہ بنیاد پژوھش ھای اسلامی جلد ۴۔ ۸۷

۱۰۔ اس سلسلے میں امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب نقل کرنا بجا معلوم ہوتا ہے کہ جب لوگوں نے بعض روحانی

جماعتوں کے درمیان نظریاتی اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے ان سے مسئلہ کا حل دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جایئے سب لوگ مل جل کر خدا کے لئے کام کیجئے یہ اختلاف نفسانیت کی دین ہے۔ اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ایک جگہ جمع ہو جائیں تو بھی ان کے درمیان کوئی اختلاف پیدا نہ ہوگا کیونکہ ان لوگوں کا مقصد ایک ہے اور وہ مقصد خدا ہے۔

۱۱۔ حضرت علی علیہ السلام سے عامہ مردم کے حالات کے بارے میں سوال کیا گیا تو حضرت نے معاشرہ میں رائج فساد اور بے سروسامانی کے لئے معاشرہ کے طبقۂ خواص کو ذمہ دار قرار دیا۔ اس کے بعد معاشرہ کی پانچ جماعتوں کو طبقہ خواص میں شامل کرتے ہوئے ان میں سے ہر ایک کے فرائض کا تعین کر دیا کہ ان لوگوں کو یہ الٰہی و سماجی فرائض انجام دینے ہیں۔ علماء اور رہنما خدا کی طرف لیجانے والے ہیں۔ زاہد حضرات خدا کی راہ پر گامزن ہیں، تاجر و سوداگر سماج میں خدا کے امین ہیں، فوجی حضرات دین خدا کے یار و مددگار ہیں اور حکماء حضرات مخلوق خدا کے محافظ و نگہبان ہیں۔ اگر ان پانچ طبقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے اپنے الٰہی و سماجی فرائض کو بخوبی انجام نہ دیا تو معاشرہ میں فساد و تباہی کا پیدا ہونا یقینی ہے۔

۱۲۔ نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر ۲۱۶ ص۔ ۲۴۹، فیض الاسلام سید علی نقی کے ترجمہ میں یہ خطبہ ۲۰۷ کی حیثیت سے موجود ہے۔

۱۳۔ راغب نے المفردات فی غیرب القرآن میں بھی اس بات کو نقل کیا ہے۔

۱۴۔ الشیخ عباس القمی ، سفینة البحار ومدینه الحکم والاثار ۔ ص ۵۰۸ بقلاز: الکافی جلد ۲ ص۔ ۲۰۸ حدیث۔ ۴

۱۶۔ ایضاً بحوالہ الکافی

☆☆☆☆☆